Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر- 2025

”جانگلوس“کا بنیادی کردار: اصل جانگلی کی معنوی تہیں، مصنف کے نقطۂ نظر اور قصے کے ربطِ باہمی کا تجزیہ

The Central Character of Jangloos: The Semantic Layers of the ‘True Jangli’, the Author’s Perspective and the Narrative Coherence

Samina Yaseen
PhD Scholar (Urdu)
The Women University, Multan

Dr. Azra Perveen
Associate Professor / Head, Department of Urdu
The Women University, Multan

ثمینہ یسین
پی-ایچ-ڈی اسکالر (اردو)
دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

ڈاکٹر عذرا پروین
ایسوسی ایٹ پروفیسر / صدر شعبہ اردو
دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2025 by the authors. This is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract

The novel Jangloos presents a powerful narrative in which the author exposes the hypocrisy of the dominant, self-serving class that derogatorily labels others as “Jangli” to maintain its social superiority. This article critically examines how the so-called Jangli characters, despite being marginalized and ridiculed, embody courage, generosity, loyalty, and a persistent spirit of resistance. Through close textual analysis, the study highlights the contrast between the moral integrity of these marginalized individuals and the exploitative, morally compromised behavior of those who use the term “Jangli” as an instrument of contempt. By juxtaposing these opposing character constructs, the article argues that the novel transforms the notion of Jangli from an insult into a symbol of dignity and moral resilience, thereby challenging entrenched power structures and societal prejudices.

Keywords: Jangloos; Marginalization; Power Structures; Character Resistance; Social Prejudice; Moral Integrity; Literary Analysis

ناول کے اجزائے ترکیبی میں سے ناول نگار کے نقطہ نظر اور کہانی میں ربطِ باہمی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ شوکت صدیقی کا ناول ”جانگلوس“ دیگر خصائص کے علاوہ اس جہت سے بھی امتیازی حیثیت رکھتا ہے کہ اس ناول میں درج بالا خصوصیت بطورِ خاص پائی جاتی ہے۔ ناول نگار

پنجاب کی دیہی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ خدا کی بستی کی اشاعت اور پذیرائی نے انھیں شہری زندگی کی بوقلمونی کے بعد دیہی معاشرت پر خامہ فرسائی کی تحریک دی۔ ۲۸ اپریل ۱۹۸۹ء میں جلد اوّل کے لیے لکھی گئی تحریر "منظر پس منظر" میں شوکت صدیقی لکھتے ہیں:

> "جانگلوس چونکہ پنجاب کے دیہی معاشرے کے پس منظر میں لکھا گیا ہے لہذا پنجابی کے ساتھ ساتھ مجھے سرائیکی بھی سیکھنی پڑی، پنجابی عوام کے رہن سہن، عادات و اطوار، رسم و رواج اور اقدار کے بارے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مواد اکٹھا کیا۔"[1]

پنجاب کی معاشرت میں طبقاتی آمیزش کے بطن سے ایک طبقاتی کشمکش بھی جنم لے چکی تھی۔ بیرونی حملہ آوروں کی پے در پے یورشوں اور ان کی لائی ہوئی تہذیبوں کے بعد تقسیمِ ہند کے نتیجے میں آنے والے مہاجرین کے رہن سہن زبان کے لہجے اور ثقافت کے ادغام سے پنجاب کی صورتحال ایک ایک عجیب طرح کے داخلی تناؤ کا شکار ہو چکی تھی۔ مقامی باشندوں کو جانگلی کہا اور جنگلی سمجھا جانے لگا تھا۔ مطعون کرنے والے تین طرح کے لوگ تھے۔ سب سے پہلے یہ تحقیری خطاب برطانویوں نے مقامی باشندوں کی جنگِ آزادی کے دوران ناقابلِ تصور اور ناقابلِ یقین مزاحمت سے زچ ہو کر دیا۔ اس ہزیمت اور پسپائی کے رنج میں انھوں نے یہاں کے باسیوں کو غیر مہذب، جانگلی، چور، ڈاکو اور لٹیرے کہا بالکل اسی طرح جیسے عہد حاضر کے سامراجی بیانیے کے تحت مزاحمت کرنے والے کمزور ملک طاقتوروں کے ہاں غیر مہذب جانے جاتے ہیں جبکہ یہ حقیقت ہے جہاں طاقت کا بے جا استعمال ہو گا وہاں مزاحمت بھی جنم لے گی:

> "طاقت کے ساتھ مزاحمت بھی منسلک رہتی ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مذکورہ مزاحمت طاقت سے داخلی رشتہ رکھتی ہے۔"[2]

اس کے بعد انہی انگریزوں سے وفاداری کے صلے میں نوازے ہوئے مفاد پرستوں نے مزاحم مقامیوں کو جانگلی کہا اور تیسرا طبقہ وہ تھا جو ہجرت کر کے پاکستان آیا اور مقہور و مجبور مفلس مقامیوں کی سادہ لوحی کو حماقت، غربت کو ناشائستگی و گنوارپن اور لاچاری و بے کسی کو بے حمیتی سمجھ کر انہیں جنگلی کا خطاب دے دیا۔ جانگلوس کی کہانی کا جو زمانہ دکھایا گیا ہے، مسبوق الذکر طبقہ انگریز، تو اس وقت موجود نہیں تھا سو شوکت صدیقی نے ان کا ذکر نہیں کیا مگر باقی دونوں طبقوں کے نمائندہ کردار پورے ناول میں مقامیوں کے ساتھ تحقیر آمیز رویے روا رکھتے دکھائے ہیں۔ دوسری طرف صبیہ" جانگلیوں کے نمائندہ کردار اپنے فکر و عمل سے اپنے اوپر لگنے والے اس الزام کی تردید کرتے دکھائے گئے ہیں۔

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر-2025

اس تجزیہ کا مقصد اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ پنجاب کے مقامی باشندوں کو جانگلی کہہ کر ان کو بے حمیت، اجڈ، وحشی اور غیر مہذب ثابت کرنے والے بیانیے کا استرداد شوکت صدیقی نے اپنے ناول "جانگلوس" میں کیسے کیا ہے۔ اس آرٹیکل میں شوکت صدیقی کے نقطہ نظر اور قصے کے باہمی تعلق کے جائزے کے ساتھ ساتھ کرداروں کے قول و فعل اور طرزِ عمل سے تخلیق کار کے نظریہ کے تطابق کا جائزہ لیا جائے گا۔

ناول کے دو مرکزی کردار "رحیم" اور "لالی" ہم سفر و رفیق بھی ہیں اور الگ الگ بھی۔ بالکل اسی طرح جیسے ہجرت کر کے پنجاب میں آباد ہونے والے مہاجر اور مقامی باشندے ہمسائے بھی ہیں اور الگ الگ شناختوں کے پرچم تھامے ہوئے بھی۔ لالی اور رحیم داد اپنے اپنے طبقوں کی نمائندگی کرتے دکھائے گئے ہیں۔ دونوں منٹگمری جیل سے مفرور ہیں۔ ناول کی پہلی جلد کے پہلے صفحے ہی سے لالی اور رحیم داد کے مزاجوں کا تفاوت دکھائی دینے لگتا ہے۔ لالی حوصلے، بصیرت، دور اندیشی اور سمجھداری کی علامت بنا دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ رحیم داد کوتاہ بین اور کم حوصلہ نظر آتا ہے۔ رحیم داد جیل سے بھاگنے کے بعد جلد تھک جاتا ہے اور بینچ پر لیٹ جاتا ہے۔ جبکہ لالی اسے خطرے کی زد سے باہر نکل جانے تک چلتے رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ لالی آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کی مدد سے وقت کا اندازہ لگاتا ہے اور اپنے ہم سفر کو آگے بڑھنے کی تاکید کرتا ہے۔ "اڑیل کھوتی نہ بن مردوں والی چال چل۔"[3]

یہ دور اندیشی بصیرت اور دلیری قدم قدم پر لالی سے وابستہ نظر آتی ہے۔ راستے میں جہاں کہیں کسی مزاحمت کا سامنا ہوتا ہے لالی کا کردار رحیم داد کے کردار پر حاوی دکھایا گیا ہے ہر اہم فیصلہ لالی کرتا ہے:

"پہلے تو وہ قریب جاتے ہوئے ڈرے مگر لالی نے اس دفعہ بھی ہمت سے کام لیا۔"[4]

لالی صرف بہادر ہی نہیں دکھایا گیا، وہ منصوبہ بندی کرنے میں بھی غیر جانگلی کردار رحیم داد سے برتر دکھائی دیتا ہے۔ صرف منصوبہ بندی میں نہیں، رحم دلی بھی رحیم داد سے کئی گنا زیادہ لالی میں ہے۔ ان کے پاس کھانے کے لیے چند بسکٹ اور تھوڑا سا پانی ہے۔ لالی وسائل میں کفایت کا منصوبہ بناتا ہے اور طے پاتا ہے کہ صبح تک نہ کوئی بسکٹ کھائے گا نہ پانی پیے گا مگر رحیم داد رات کے کسی پہر اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ دونوں گتھم گتھا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ لالی کی طرف سے ہونے والی بعض پرس سے مشتعل ہو کر رحیم داد بسکٹ اور پانی ضائع کر دیتا ہے۔ جب رحیم داد غالب آتا ہے تو وہ لالی پر ذرا ترس نہیں کھاتا جبکہ یہی رحیم داد مغلوب ہو کر مضروب ہو جاتا ہے تو لالی اس کی تیمارداری کرتا ہے، اس سے معافی مانگتا ہے اور اپنے غصے پر لعنت ملامت کرتا ہے۔ لالی اور رحیم داد کوئی بچپن کے دوست

نہیں۔ جیل میں واقف ہوئے اور اکٹھے فرار ہوئے مگر لالی اس بظاہر معمولی تعلق کو نبھانے کے لیے متعدد مقامات پر اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا ہے۔ پُرامن زندگی گزارنے کے مواقع ٹھکرا دیتا ہے کیونکہ ان مواقع میں رحیم داد کی شمولیت مسترد کی جاتی ہے۔ ناول نگار نے اس پہلو کو نمایاں کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ لالی کا پرانا اور گہرا دوست اشرف اتفاقاً لالی اور رحیم داد سے ملتا ہے اشرف اسے پر تعیش زندگی کی طرف بلاتا ہے مگر رحیم داد کے بغیر۔ رحیم داد خود لالی کو یہ پیشکش قبول کرنے کا کہتا ہے مگر لالی اسے ڈانٹ دیتا ہے اور اشرف سے دوٹوک لہجے میں انکار کرتا ہے:

"شرفے! یہ اپنا جگر ہے۔ اسے میں نہیں چھوڑ سکتا۔ تُو جا، میرا تیرا رستہ الگ ہے۔"[5]

شاداں کے گاؤں میں پولیس کا پہرہ لگا ہے۔ پولیس لالی کو گرفتار کرنے کے لیے تیار ہے۔ لالی پھر بھی اس گاؤں میں محض اس لیے جانا چاہتا ہے کہ رحیم داد کی جیل والی وردی کی جگہ گاؤں سے اس کے لیے کپڑے لا سکے۔ لالی نے جیل کی وردی کی جگہ سادہ کپڑے پہن لیے تھے لیکن رحیم داد کے لیے ایک سوٹ کا بندوبست لالی کے اعصاب پر سوار تھا۔ حیات محمد وٹو کی حویلی سے اپنی جان بچا کر نکلتے ہوئے بھی وہ رحیم داد کے لیے ایک جوڑا کپڑے لینے کے جتن کرتا نظر آتا ہے۔ اسے ناکامی ہوتی ہے لیکن یہ تگ و دو ختم نہیں ہوتی۔ ایک سرکاری بنگلے میں چوکیدار کے طفیل ٹھہرتا ہے اور وہاں عیاشی کی غرض سے آنے والے ایک افسر کے بستر کی چادر اٹھانا نہیں بھولتا کہ رحیم داد کی تن پوشی میں کسی حد تک کام آ سکے گی۔

رحیم داد کی خاطر پیشکش ٹھکرانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حیات محمد وٹو جو ایک بڑا جاگیر دار ہے، وہ لالی سے کہتا ہے کہ رحیم داد نے جس بندے کو زخمی کیا تھا وہ بعد میں مر گیا تھا۔ اس مقتول کے خاندان والے اس کے قتل کے درپے ہیں۔ پولیس بھی اس کے پیچھے ہے آج نہیں تو کل وہ مارا جائے گا۔ تو اسے بھول جا۔ تو ہر طرح سے یہاں محفوظ ہے۔ تجھے رحیم داد سے ہمدردی بہت مہنگی پڑے گی تو اس کا ساتھ دینے کی کوشش میں مارا جائے گا۔ لالی اس کی دلیلوں کے آگے بحث کرتا ہے مگر رحیم داد سے دست کش نہیں ہوتا۔[6] رحیم داد کے لیے لالی نے ہر طرح کی قربانی دی وہ اس تک کپڑے لے کر پہنچنے کی کوشش میں موت کے منہ میں چلا گیا۔ گولیاں برستی ہیں پولیس اسے ہر قیمت پر مارنے کے درپے ہے مگر وہ رحیم داد کے لیے لائے ہوئے کپڑوں کی گٹھڑی کو سینے سے لگائے رکھتا ہے۔ ڈاکوؤں کا سرغنہ داد محمد ساہو بھی لالی کو اپنے گروہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر رحیم داد کو چھوڑ دینے کی شرط پر مگر لالی اسے دھوکا دینے پر آمادہ نہیں۔

Research Journal
Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر- 2025

شوکت صدیقی نے لالی کو "جانگلوس" کہہ کر جانگلیوں کا نمائندہ کردار بنایا ہے اور مختلف اوصاف لالی کی شخصیت سے ظاہر کیے ہیں۔ غلام حسین ساجد رقم طراز ہیں:

"مجھے معلوم نہیں جانگلی تہذیب کتنی پرانی ہے مگر اس کا ایک حصہ ہونے کی وجہ سے میں جانتا ہوں کہ اس میں انسان سے انسان کے بطور انسان رشتے کی ڈور کتنی مضبوط ہے۔"[7]

جانگلی بالعموم کنجوس نہیں ہوتے۔ یہ بات عیاں کرنے کے لیے ناول نگار نے لالی کی فیاضی جابجا دکھائی ہے۔ شاداں کی بھینس گولی لگنے سے مر جاتی ہے۔ لالی فیض محمد جیسے سمگلر اور منافق انسان کی عزت کا نقصان کرنے کی بجائے وہاں سے نکل پڑتا ہے۔ وہاں سے ایک بھینس ہانک لاتا ہے تاکہ شاداں کو دے سکے۔ شاداں تو خیر اس کے من کو بھا گئی تھی اور اس کے لیے بھینس لے آنا محبت یا ردِ عمل پر محمول کیا جا سکتا ہے مگر یہاں تو یہ صورتحال ہے کہ جس سے معمولی سا تعلق بنے، لمحاتی تعلق، لالی اسے بھی دستِ سخاوت سے محروم نہیں رکھتا۔ شاداں کے گھر سے رحیم داد کی طرف جاتے ہوئے سرِ راہ ملنے والے کانسٹیبل، واحد کے گھریلو معاشی حالات سن کر اسے تیس روپے تھما دیتا ہے جبکہ اس کی محکمہ پولیس سے ملنے والی ماہانہ تنخواہ بیس روپے ہے۔ اسی طرح رحیم داد تک پہنچنے کی دھن میں اسے ایک سرکاری بنگلے پر رات ٹھہرنا پڑتا ہے تو اس بنگلے کے چوکیدار کو دس دس روپے کے دو نوٹ، اس کے انکار کے باوجود دے دیتا ہے۔ لالی کے اصرار کا انداز بھی انتہائی عاجزانہ اور مہر آمیز ہے:

"دیکھ چاچا! نہ یہ بخشش ہے نہ انعام۔ ویسے بھی میں نہ افسر ہوں نہ صاحب جو تجھے بخشش یا انعام دوں۔ میری خوشی ہے تو اسے رکھ لے انکار نہ کر۔"[8]

شاداں سے لالی کو محبت ہو چکی ہے۔ اس پر نوازشات کی بارش زیادہ ہے۔ شاداں کی بھینس کے بدلے اسی رنگ کی بھینس بھی دیتا ہے اور دو ہزار روپے بھی اصرار کر کے اسے دے دیتا ہے۔ اس عطا کا جواز وہ یہ بناتا ہے کہ شاداں کا محبوب مر گیا ہے اور جب کسی کا کوئی مر جاتا ہے تو اس کے ذات برادری والے اس کے لواحقین کی مالی مدد کرتے ہیں۔ لالی، بالے مرحوم کا کچھ نہیں لگتا لیکن شاداں سے تو اس کا محبت کا رشتہ ہے۔ یہ پیسے لالی نے نام نہاد شرفا کی ایک رات کے لیے بیویاں بدل کر عیاشی کرنے والے ایک سیٹھ کے بٹوے سے نکال لیے تھے۔ وہ لُوٹتا ہے اور لُٹاتا ہے۔ لُوٹتا امرا اور بدقماشوں کو ہے، اور لُٹاتا ہے ضرورت مندوں کے لیے۔

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر- 2025

دلیری اور سخاوت کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ تھڑدِلا کبھی کشادہ دست نہیں ہو سکتا۔ لالی کے کردار میں دونوں اوصاف بیک وقت چلتے دکھائے گئے ہیں۔ جہاں وہ کسی کی خاطر جان کی بازی لگانے سے دریغ نہیں کرتا وہاں وہ روپے پیسے دینے میں بھی بخل سے کام نہیں لیتا۔

ناول کا ایک ضمنی کردار اللہ دتہ، لالی کو ویرانے میں سوتا پا کر اس کی گھڑی اتارنے کی کوشش کرتا ہے۔ لالی اسے پکڑ لیتا ہے۔ اللہ دتہ ایک جاگیردار کے بیگار کیمپ سے اپنی بیوی کی مدد سے رہا ہو چکا ہے۔ اس کا بھائی اللہ ڈینو ہنوز زنداں میں ہے۔ پہرے داروں کے سربراہ کو ایک ہزار روپے رشوت کے عوض اس کی رہائی کے لیے اللہ دتہ زیور کسی سنار کے پاس گروی رکھنا چاہتا ہے۔ لالی نہ صرف یہ کہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اللہ ڈینو سمیت سب قیدیوں کو رہائی دلاتا ہے بلکہ مالی مدد بھی کرتا ہے۔[9] ایک اور موقع پر لالی کی دریا دلی کا مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے رات کے وقت بھوک سے نڈھال لالی ایک گھر میں داخل ہوتا ہے۔ یہ میداں کا گھر ہے جو اپنے شوہر کی غیر حاضری میں اپنے عاشق کو گھر بلا چکی ہے۔ لالی اس گھر سے کھا پی کر نکلنے لگتا ہے تو اسے پانچ روپے دیتا ہے۔ اسے پریشان کرنے اور ان کی عیاشی میں خلل انداز ہونے پر معذرت کرتا ہے۔ حالانکہ اپنے عاشق کے کہنے پر میداں اسے زہر آلو دلڈو کھلا چکی ہے جو اس نے اپنے شوہر کو کھلانے کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ لالی کو میداں پر شک ہوتا ہے اس لیے وہ طلب کے باوجود فقط ایک لڈو کھانے پر اکتفا کرتا ہے۔ اس شک کے باوجود وہ اپنی فطرت کے مطابق میداں کو دیے گئے پانچ روپے واپس لینے یا اسے کوئی تکلیف پہنچانے کی کوشش کیے بنا وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔

پنجاب کی باروں کے لوگ جنگلوں میں رہتے آئے ہیں۔ انواع واقسام کے خطرات سے نبرد آزما ہوتے رہے۔ تن آسانی اور بزدلی کے ساتھ زندگی گزارنا ایسے حالات میں ممکن ہی نہیں تھا۔ ان حالات میں یہ لوگ سخت جان اور دلیر بن چکے تھے۔ دورِ ابتلا میں ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ اس لیے بھی فزوں تر ہو جاتا ہے کہ دوسرے پر آنے والا کڑا وقت کل کلاں خود پر بھی آسکتا ہے۔ بیگار کی ریت محض کھیتی باڑی کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت تک محدود نہیں رہی تھی۔ ایک قبیلے کی دوسرے قبیلے سے، یا ایک فرد کی دوسرے فرد سے لڑائی کے لیے بھی بیگار کا رواج پروان چڑھ چکا تھا۔ کسی تعلق والے کو بیلوں کی جوڑی، دودھ کے لیے دود ھیل بھینس ہی عاریتاً نہیں دی جاتی تھی، اپنی جان بھی کسی کی خاطر دے دینا بار کے باسیوں کی ریت تھی۔

لالی اس ریت کا نمائندہ کردار بن کر سامنے آتا ہے۔ وہ راہ چلتے لوگوں کی مدد کرنے میں جُت جاتا ہے۔ وہ محض جرات مند ہی نہیں فیصلہ ساز اور منصوبہ ساز بھی دکھایا گیا ہے۔ اس کے نمونے ناول کے صفحات پر جا بجا ملتے ہیں۔ وہ مدد بھی کرتا ہے اور کسی کو الجھن سے نکالنے

کے لیے بروقت ثمر بار منصوبے بنا کر، اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا تحکمانہ اظہار بھی کرتا ہے۔ رحیم داد کو جیل سے فرار ہونے کا مشورہ بھی لالی دیتا ہے اور پھر قدم قدم پر راہنمائی بھی خود ہی کرتا ہے۔ جہاں کہیں اسے کوئی مصیبت میں گرفتار شخص ملتا ہے، لالی کا اخلاص سر اٹھاتا ہے، وہ صلح جو بھی ہے معاملات کو سلجھانے کے لیے مخلصانہ مشورے دیتا ہے۔ نفع رسانی کا سلسلہ ہر اس شخص تک پھیلتا ہے جو لالی سے جڑتا ہے۔ یہ جڑت چاہے جتنی بھی مہین تار سے منسلک ہو، دستِ تعاون میں کمزوری نہیں آتی۔ ناول نگار نے لالی کے کردار میں جلال اور جمال کو مجتمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ لالی دراصل پنجاب کے باسیوں کے جلال و جمال کا مرقع ہے۔ وہ جلال و جمال جس کے بارے میں محمد حنیف رامے رقم طراز ہیں:

> "پنجاب کی تیز دھوپ نے اسے ایک جلال بخشا ہے۔ اس کے برعکس اس کی نرم چھاؤں اس کا رُخِ جمال ہے۔ اگر صرف جلال کو پیشِ نظر رکھا جائے تو پنجاب کی وہ عجیب و غریب اور ان مِل بے جوڑ تصویر بنتی ہے جو دوسروں نے دیکھی اور دکھائی ہے۔ کرخت، تند خُو، تہذیب و شائستگی سے محروم، سنجیدگی اور گہرائی سے نابلد، شیخی باز، موقع پرست، مزاحمت کے جذبے سے عاری۔"[10]

لالی ایک طرف سخت جان ہے۔ ویسا ہی سخت جان جیسے اسی باروں کی دھرتی کے سپوت دلا بھٹی اور رائے احمد خان کھرل، جیسے موکھا وہنوال۔ موکھا وہنوال کا ذکر یہاں دیگر مجاہدین آزادی کے ناموں سے صرفِ نظر کر کے لکھنے کا ایک خاص مقصد ہے۔ یہ جری شخص اِس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کی ناقابل یقین بہادری کا اعتراف دشمن نے یوں کیا کہ اسے باوصف اس کے کہ دشمن تھا انگریزوں نے اسے اٹھارہ مربع اراضی انعام میں دی۔ کالے پانی کی سزا کے لیے لے جایا جانے لگا تو اس نے دیگر ساتھیوں سمیت سمندر میں چھلانگ لگا دی اور متواتر کئی روز تک تیرتے ہوئے کنارے لگا۔ فرار کی داستان اٹھارہ بار سنی گئی اور جب ہر بار کسی ردوبدل کے بغیر سنائی گئی۔ حقیقت کو جھوٹ سے مبرا تسلیم کیا گیا تو اس بظاہر انسانی بساط سے باہر کام کے انعام کے طور پر جتنی بار سنا گیا اتنے مربع انعام میں دے دیے گئے۔[11]

لالی بھی رائے احمد خان کھرل کے قبیلے کا ایک غریب فرد ہے۔ اس میں بھی راوی کے باشندوں کی جلالی و جمالی طبیعتوں کا امتزاج ہے۔ وہ امتزاج جو اس دھرتی کے سپوتوں کا خاصہ ہے:

"فنانشل کمشنر تھابرن کے بقول احمد خان کھرل اور اس کے ساتھی ایک مہینہ تک کوٹ کمالیہ پر قابض رہے اور تین ماہ تک ساہیوال سے ملتان تک کا راستہ روکے رکھا"[12]

عام بیانیے کے مطابق پنجاب کی باروں کے لوگ جانگلی غیر مہذب اور ناشائستہ ہونے کی وجہ سے حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ۔شوکت صدیقی نے اس کارد کرنے کے لیے اپنے بیانیوں کو بنیاد نہیں بنایا۔اس نے ایسے کردار تراشے ہیں جو اپنے طرزِ عمل سے ثقافتی سماجی بیانیے کا استرداد کرتے دکھائے ہیں۔لالی کا کردار ایک عام آدمی کا کردار ہے جو تمام عمومی صفات کا عکاس ہے۔ایک اور کردار اس حوالے سے بہت اہم ہے وہ کردار ہے اللہ وسایا۔جو رعایا تھا۔مزارع تھا۔جاگیر مل گئی مگر یہ جاگیر اسے میاں سبحان کی طرح نہیں ملی جس کے دادا نے انگریزوں سے وفاداری اور اپنوں سے غداری کی تھی۔اللہ وسایا نے بے لوث اور ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر اپنے ہندو سردار کی بیٹی کی جان بچائی تھی۔ایک جانب میاں سبحان کا دادا ہے جس نے انگریز سے وفاداری نبھائی ہے دوسری طرف اللہ وسایا ہے جس نے ایک ہندو لڑکی کی جان اور عصمت کی حفاظت کی تھی۔دونوں کو صلہ ملا ہے مگر ناول نگار نے دونوں کے کرداروں کو قاری کے سامنے رکھ کر اسے فیصلے کا اختیار دیا ہے۔میاں سبحان غداری کا انعام یافتہ کردار ہے سو وہ ہر سماجی برائی کا نہ صرف رسیا اور خوگر ہے بلکہ اس کے فروغ کا شائق بھی ہے۔دوسری طرف اللہ وسایا مقہور و مجبور طبقے سے ہونے کے باوجود جب وفاداری کے انعام یافتہ ہونے کا اعزاز پاتا ہے تو نو دولتیے والا منفی رویہ اس کے کردار پر مسلط نہیں ہوتا۔وہ کم ظرف نہیں بنتا، وہ رعایا پرور ہے، فیاض ہے اور ہر ایک کا بہی خواہ مددگار۔وہ بہادر ہے اور اپنی طاقت کی فزونی کا حریص نہیں۔وہ دست گیر ہے دست دراز نہیں۔جبکہ میاں سبحان اپنی طاقت و ثروت کے فروغ کے لیے غاصب اور دست دراز ہے۔لالی کے کردار میں ناول نگار نے ایک اور وصف رکھا ہے۔پنجاب کے پرانے باشندوں میں کچھ روایات صدیوں سے چلی آ رہی ہیں۔جس گھر سے نمک کھالیا جائے یا دوستی کا تعلق ہو اس کی عزت کا نقصان ہرگز نہیں کرنا:

"جس گھر للیے، دوستی اتھے مول نہ گھتیے لت"[13]

لالی اس روایت کا پاسدار دکھایا گیا ہے۔اسے جنسی ناآسودگی کا سامنا ہے۔لیکن موقع ملنے پر بھی وہ کسی کی عزت خراب نہیں کرتا۔ شاداں اپنے یار کو قتل کر چکی ہے۔لالی اور رحیم داد اس گھر میں کود جاتے ہیں وہ ان کی دسترس میں ہے۔چاہتے تو اسے زبردستی اپنی ہوس کا نشانہ بناتے لیکن لالی نے ایسا سوچا تک نہیں۔لالی کو شاداں سے محبت ہو جاتی ہے لیکن وہ اسے آزادی دیتا ہے بلکہ اسے قائل کرتا

Research Journal
Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر- 2025

ہے کہ وہ اپنے خاوند اور بچوں کے پاس لوٹ جائے۔ پیر بخش گورکن کی بہو بختاور، جس کی بھرپور جوانی شاداں کے حسن سے مماثلت اور بختاور کی جنسی ناآسودگی لالی کے لیے اشتہا کا باعث بن سکتی ہے، اس سے حظ اندوزی کا موقع بھی ملتا ہے لیکن لالی یہاں بھی اس مظلوم لڑکی کی خیر خواہی کر کے آگے گزر جاتا ہے۔ بختاور کے سسر نے اس سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ بختاور کا شوہر کم عمر بھی ہے اور کم ہمت بھی۔ لالی بختاور کے حسن کی تعریف کرتا ہے۔ اسے بن سنور کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسے ازراہِ تفنن اپنے ساتھ بھاگ جانے کی صلاح دیتا ہے۔ وہ رضامند ہے۔ عین اس موقع پر وہ اسے اپنے ہاتھ میں محبت پانے اور شادی کی لکیر نہ ہونے کا کہہ دیتا ہے ۔اسے پانچ سو روپے دیتا ہے جو اس نے بشیر کے کہنے پر قبروں سے ہڈیاں نکالنے کی مزدوری کر کے اسی نیت سے کمائے تھے۔ بختاور کے نو عمر شوہر کو اپنی بیوی سمیت کسی شہر میں جا بسنے کا راستہ دکھاتا ہے۔[14]

یہی سلوک وہ اوورسیئر صفدر کی خوبرو بیوی سے کرتا ہے۔ زرینہ کا شوہر کسی انکوائری کی زد میں ہے۔ معطل ہو چکا ہے۔ اس کی بیوی، صفدر کے کہنے پر اس ویران ریسٹ ہاؤس میں اپنے شوہر کے افسرِ مجاز کے رات رنگین کرنے کے لیے آئی ہے تاکہ شوہر کی نوکری بچ سکے۔ وہ ایسی صورتحال میں ہے کہ لالی چاہتا تو اس کے حسن سے فائدہ اٹھا سکتا تھا مگر وہ نہ صرف ایسا نہیں کرتا بلکہ اسے بڑی منصوبہ بندی سے اس افسر کے چنگل سے رہائی دلاتا ہے۔ میداں ایک بے وفا عورت ہے اس کا حسن دل آویز ہے۔ لالی اس کے گھر سے کچھ کھانے پینے کے لیے آدھی رات کو داخل ہوتا ہے۔ میداں کا شوہر کھیت میں پانی لگانے گیا ہوا ہے وہ شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے عاشق کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی ہے۔ لالی اس کے گھر میں اس پر حاوی ہو چکا ہے مگر وہ اس کے کردار سے واقف ہوتے ہوئے بھی کہ یہ پارسا نہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ پورے ناول میں لالی کا کردار کسی عورت کی عزت کا براچاہتا نہیں دکھایا گیا۔

شوکت صدیقی نے پنجاب کی باروں کے مقامی باشندوں کو جانگلی کہنے والوں کی حقیقت اور اصلیت پر بھی قلم فرسائی کی ہے۔ دو مرکزی کرداروں میں سے رحیم داد کے قول و فعل سے جانگلیوں کو حقیر سمجھنا دکھایا گیا ہے۔ لالی، جو پختہ کارِ وفا ہے، جو رحیم داد کے لیے سراپا وفا ہے، اسے بھی وہ جانگلی کہہ کر اپنی قلبی نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ لالی اس کے لیے ڈھال بنتا دکھایا گیا ہے جبکہ رحیم داد لالی کو قتل کرنے کی کوشش کرتا نظر آتا ہے۔ صرف لالی ہی نہیں، مقامیوں کو جانگلی کہنے اور سمجھنے والا یہ کردار پرلے درجے کا محسن کُش ہے۔ اس بات کا اقرار وہ خود کرتا دکھایا گیا ہے۔ جب وہ لالی کو قتل کرنے کے منصوبے سے شاداں کو آگاہ کرتا ہے تو صاف صاف کہتا ہے:

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقیق

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر- 2025

"جسے بھی اس راز کا پتہ چل جاتا ہے کہ میں چوہدری نور الٰہی نہیں رحیم داد ہوں۔ میں اسے کبھی زندہ نہیں چھوڑتا۔"[15]

لالی جیسے رحم دل اور وفا پرست کو جانگلی کہنے والا یہ شخص اپنے ذاتی مفاد اور حرص کی وجہ سے اپنے محسن نور الٰہی کو قتل کر کے اس کے کلیم کے کاغذات غضب کر چکا ہے۔ حکیم چشتی کو بلاوجہ موت کے گھاٹ اتار کر اس کی لاش مسخ کر چکا ہے۔ اللہ وسایا جیسے رحم دل اور رحیم داد کو زمیندار بنانے میں مخلصانہ تگ و دو کرنے والے کو احسان شاہ کے اکسانے پر منافقانہ کردار ادا کر کے مار چکا ہے۔ جمیلہ کے درپے آزار ہے۔ شاداں کو مارنے کی کوشش کر چکا ہے۔ اپنی بیوی بچوں کو برباد کر چکا ہے۔

مقامی باشندوں کو جانگلی کا طعنہ دینے والا ایک اور شخص حیات محمد وٹو ہے۔ اس "مہذب" اور "معزز" کا کردار یہ ہے کہ اپنے سگے بھائی کے قتل کو جائز سمجھتا ہے۔ اپنے بڑے بھائی ریاض وٹو کو اذیت ناک زنداں میں ڈال رکھا ہے اور اس کی جگہ کسی اور کو قتل کر کے تجہیز و تکفین بھی کر چکا ہے۔ اپنی بیوی کو قتل کرنے کی کوشش کے دوران میں لالی کے ہاتھوں زخمی ہوتا ہے۔ حیات وٹو خود بھی اسی دھرتی کا جم پل ہے اور اس کے آبا بھی۔ لیکن وہ ان لوگوں میں شامل ہے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مجاہدین کی بجائے انگریزوں کی مدد کی تھی اور جاگیریں حاصل کر کے آقا بن بیٹھے تھے۔ حیات وٹو کی بیوی لالی کو بتاتی ہے کہ حیات وٹو کو جاگیر اور جائیداد کے سوا کسی سے محبت نہیں۔ اس کے بقول اگر اس کی جاگیر اس کے پاس رہے تو اپنی اکلوتی جوان بیٹی کی شادی بھی نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس صورت میں بیٹی کو جاگیر میں سے حصہ دینا پڑے گا۔[16] اس کردار کا حامل بھی لالی کو جانگلی قرار دیتا ہے اور ناصرہ، حیات کی بیوی، جو حیات وٹو کے ہاتھوں قتل ہونے سے لالی کے طفیل بچی ہے، وہ بھی لالی کو بے غیرت اور جانگلی بدتمیز کہتی ہے۔ جو خود اپنے شوہر کے کہنے پر اس کے مہمانوں کے ساتھ راتیں گزارتی ہے تا کہ اس کی سیاسی حیثیت مستحکم تر ہو:

"ناصرہ خود لالی کو بتاتی ہے کہ گزشتہ رات نویں مہمان کے پاس بھیجنے کی ضد کر رہا تھا۔"[17]

ناصرہ اپنے خاندان کے بارے میں گھمنڈ کا شکار ہے۔ وہ کمالیہ کے لنگڑیال خاندان سے ہے۔ لالی اسے وٹو کے ہاتھوں اس وقت بچاتا ہے جب وہ قریب المرگ ہوتی ہے۔ وہ لالی کو وٹو کی حویلی سے بھاگ جانے کا کہتی ہے۔ لالی حیات وٹو کو دھکا دے کر گراتا ہے تا کہ ناصرہ کی گردن اس سے چھڑا سکے۔ وٹو شدید زخمی ہے۔ لالی ناصرہ کو وہاں سے نکال لاتا ہے۔ راستے میں کار خراب ہوتی ہے عقب سے گاڑی کی تیز روشنیوں سے خوفزدہ ناصرہ لالی کو اپنی جان بچا کر بھاگ جانے پر مصر ہوتی ہے، ایسے میں بھی وہ بزدلوں کی طرح بھاگنے کے بجائے ناصرہ

کو ہر صورت بچا لینے کا دلیرانہ عزم کرتا ہے اور بچا بھی لیتا ہے۔ دورانِ سفر حالتِ امن میں لالی، ناصرہ کی اُس حالت کا ذکر کر بیٹھتا ہے جب وہ نیم عریاں حالت میں وٹو کے جان لیوا شکنجے میں تڑپ رہی تھی۔ لالی کی بے ساختگی اور سادہ مگر کھری بے تکلفانہ بات سے مشتعل ہو کر ناصرہ اسے بے غیرت اور بد تمیز کہتی ہے۔ اسے کار سے اتر کر دفع ہو جانے کا کہتی ہے۔

شوکت صدیقی نے جانگلی سمجھنے اور کہنے والے جو کردار تراشے ہیں ان کی اپنی اصلیت کو عیاں کرنے میں بہت محنت کی ہے۔ جس وقت ناصرہ لالی کو بے غیرت اور بد تمیز کا خطاب دیتی ہے اس سے پہلے ناصرہ کے خاندانی زعم اور اصل کردار کی عکاسی ہو چکی ہے۔ اس خطاب سے پہلے لالی کی جانفشانی اور خیر خواہی و جراتمندی کا نقشہ کھینچا جا چکا ہے۔ لیکن "جانگلیوں" کی جرأت آموزی اور منافقت سے پاک اور بے باک تلبِ سخن کا مظاہرہ، خطاب ملنے کے بعد لالی کی گفتگو میں ہوتا ہے۔ یہی وہ گفتگو ہے جسے شوکت صدیقی کے ناول جانگلوس کے نقطہ نظر کا حاصلِ کلام کہا جا سکتا ہے۔ لالی سے غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ نشے کی ترنگ میں ناصرہ کی ننگی ٹانگوں کے حسن کی بات کر بیٹھتا ہے وہ بھی اس لیے کہ اس کے تئیں ناصرہ اس کے ساتھ گھل مل چکی ہے ناصرہ اسے اپنے شوہر کے ظلم اور اپنی ذاتی زندگی کے کئی راز بتا چکی ہے۔ سادہ لوحی کی بنا پر اس رویے کو اپنائیت سمجھ بیٹھنا ہی لالی کا جرم ہے جس کی پاداش میں ناصرہ اسے بے غیرت کہتی ہے اور ڈیش بورڈ سے پستول نکالنے لگتی ہے۔ لالی دروازہ کھولتے ہوئے اسے پستول نہ نکالنے کا کہہ کر جو الوداعی گفتگو کرتا ہے وہ یہاں نقل کرنے سے شوکت صدیقی کے نقطہ نظر کی تفہیم میں بہت مد ثابت ہوگی:

> "مجھے جی زنانیوں کی ننگی ٹانگیں دیکھنے کا چسکا نہیں ہے۔ وہ تو میں دس روپے خرچ کر کے بھی دیکھ سکتا ہوں۔ صرف ٹانگیں نہیں پورا بدن دیکھ سکتا ہوں۔ میرے پاس جاگیر اور جیداد ہوتی تو روز زنانیوں کو ننگا کر کے دیکھتا خود بھی دیکھتا دوسروں کو بھی دکھاتا۔ اس نے قدرے توقف کیا۔ "میں تو صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ تمہارا خصم بے رحم بھی بے غیرت بھی۔ میں نے اس کے منہ پر اسی لیے تھوکا تھا اور اسی لیے اس کا سر دیوار سے ٹکرا کر پھوڑا تھا کہ وہ بہت وڈا بے گیرت دلّا ہے"[18]

آئینہ دکھانے کی ایسی ایک مثال اس وقت سامنے آتی ہے جب ڈی۔ سی ہمدانی کے خیمے کی طرف جاتی گیتی آرا لالی کو جانگلی کہتی ہے۔ شوکت صدیقی کے قلم کی کشی کا یہ منظر بھی قدر وضاحت سے بیان کرنے کا متقاضی ہے۔ خود مقامی باشندے ہونے کے باوجود اپنے ہم وطنوں کو جانگلی کہہ کر تحقیر کرنے والے صرف وہ لوگ تھے جنھوں نے درانداز وں سے وفاداری اور اپنوں سے غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ انھوں نے انگریزوں سے جاگیریں حاصل کیں اور انگریزوں نے جنھیں وحشی اور جانگلی کہا انھیں ان مفاد پرستوں نے بھی اسی نام

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقیق

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر- 2025

سے پکارا۔ انگریزوں نے اپنے وفاداروں کو رئیس کہا۔ ان کے شجرے لکھے اور باقاعدہ ضخیم کتاب تصنیف کی جس کا نام Chiefs of punjab رکھا۔ جس کا ترجمہ ''تذکرہ روسائے پنجاب'' کے نام سے چھپا۔ اس کتاب میں ان رؤسا کی خدمات کی مدح سرائی کی تان اس پر ٹوٹتی ہے کہ انھوں نے ''شر پسندوں'' کی سرکوبی میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ جنھیں شر پسند، چور اور جانگلی کہا گیا ان کے بارے میں پروفیسر تراب الحسن سرگانہ نے اپنے تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی میں پوری تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ لوگ نہ چور تھے نہ اقتدار کے خواہاں۔ یہ لوگ اسلام کے احیاء کے لیے مسلمانوں کے پاس سیاسی اقتدار کی بحالی کو ضروری سمجھتے ہوئے جہاد کر رہے تھے:

> ''For them,revival of islam mean resteration of political authority of the Muslims.It was a prerequisite for their desired protection of islam.So they were ready to sacrifice their lives as well as preperty for their purpose. ''[19]

لالی اپنے ایک پرانے دوست سے اتفاقاً ملاقات کے بعد اس کے ساتھ اس کے مالک میاں سبحان کے پاس پہنچتا ہے۔ میاں سبحان کے لائل پور میں تیس مربع اراضی ہے۔ رحیم یار خان میں اس کے چار سو مربعے ہیں۔ اس کے دو بیٹے اعلی افسر ہیں۔ میاں سبحان کا ملازم خدا داد لالی کو بتاتا ہے کہ میاں سبحان کا دادا رحمان انگریز افسر کا معمولی ملازم تھا اس نے برکلے کی جان بچائی اور صلے میں سینکڑوں مربعے زمین پائی۔ جبکہ خداداد کا دادا احمد خان کھرل کا ساتھی تھا۔ یہاں پر شوکت صدیقی جانگلی کہے جانے والوں اور کہنے والوں کا ایک دلچسپ موازنہ کرتے ہیں۔ یہ موازنہ واقعاتی ہے، بیانیہ نہیں۔ پورے ناول میں واحد ایک خداداد ہے جو جانگلی کہے جانے والوں میں شامل ہے مگر خود کو جانگلی کہتا ہے لیکن یہ اس کے المناک طنزیہ جملے ہیں۔ اسی میاں سبحان کی میزبانی میں اعلی سرکاری افسران اور اشرافیہ کے لوگ شکار کھیلنے راوی کے شمالی کنارے جمع ہیں۔ یہاں لالی کا ایک واقف ڈی۔ سی اسے ایک خیمے میں مقیم نواب فخرو کی بیٹی گیتی آرا کھد انی کے خیمے تک لانے کا حکم دیتا ہے۔ لالی اسے دلاّ گیری قرار دے کر معذرت خواہ ہوتا ہے، یہ معلوم ہونے پر کہد انی کی بات ساری طے ہو چکی ہے اس نے محض اسے چند گز دور سے اپنے ساتھ لانا ہے، لالی اس خیمے سے گیتی آرا کو لاتا ہے۔ گیتی آرا کی ماں سابقہ طوائف اور اب نواب کی بیوی ہے۔ نواب اور اس کی بیگم اپنی بیٹی کو پہلے بھی کئی بار اعلی افسروں کے پاس بھیج کر فوائد حاصل کر چکے ہیں۔ لالی کے خیمے میں ہوتے ہوئے یہ باتیں ہوتی رہی ہیں۔ اس پر ان کے عزت دار ہونے کا بھرم کھل چکا ہے، نواب کی بیگم لالی کو جانگلوس کہتی ہے:

> ''اے میں نے کہا نواب فخر الدولہ! یہ موا جانگلوس یہاں بیٹھا کیا کر رہا ہے۔ کیسا دیدے نکالے اجڈ پن سے تک رہا ہے۔''[20]

شوکت صدیقی نے اس موقع پر نواب، اس کی بیگم اور نواب کی بیٹی گیتی آرا کے چہروں سے نقاب نوچ پھینکے ہیں۔لالی کو جانگلوس کی گالی دِلوانے سے پہلے ان کے سارے بھرم کھول دیے ہیں۔ مزید تقابل گیتی آرااور لالی کے مکالموں میں کر کے اپنے نقطہ نظر کو پیش کیا ہے۔ لالی گیتی آرا کو اس کے خیمے سے لے کر نکلنے لگتا ہے تو گیتی آرا کی ماں کا الوداعیہ جملہ "اللہ کے سپرد" معنی خیز بھی ہے اور زبردست طنز بھی۔ راستے میں لالی اپنے فطری بھولپن سے مجبور ہو کر گیتی آرا سے فقط اتنا کہتا ہے کہ صاحب آپ کے نخرے کے بارے میں ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔ اس پر گیتی آرا اسے بد تمیز اجڈ اور گنوار کہتی ہے۔لالی کے لہجے میں ایک بار پھر وہی تمکنت، کھرا پن اور تلبِ سخن آجاتی ہے جو ناصرہ سے مخاطب ہوتے وقت اس میں آتی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"میں تو جی بد تمیز ہوں جانگلی جو ٹھہرا بلکہ جانگلوس ہوں۔ تمھاری ماں نے تو یہی کہا تھا نا، پر تم تو اس وقت تمیز کا دھندا کرنے جا رہی ہو۔"[21]

احسان شاہ جو پرلے درجے کا عیاش ہے۔ غیرت سے دور دور تک واسطہ نہیں۔ جو مغوی عورتوں سے ڈیرہ بھر کے رکھتا ہے۔ مہمانوں کو عورتیں پیش کرتا ہے وہ بھی مقامی غریب لوگوں کو جانگلی کہتا ہے۔ رحیم داد جس کی خاطر لالی زندگی کے سکون ٹھکرا کر بار بار آتا ہے، وہ بھی لالی سمیت سب مقامی لوگوں کو، ان کے رسم و رواج کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لالی اپنے دو تین دوستوں، ڈی۔ سی۔ ہمدانی اور دوسرے مددگاروں کی پیشکش رد کر کے رحیم داد کے پاس آتا ہے۔ اسے بتاتا ہے کہ جس آدمی کو زخمی کرنے کی پاداش میں وہ جیل کاٹ رہا تھا وہ کچھ دن پہلے مر گیا ہے اور ان کی پہنچ کسی سیاسی شخصیت تک ہونے کی وجہ سے رحیم داد کو پولیس دیکھتے ہی مار دے گی لہذا اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کو مقتول کے ورثا کے پاس منت سماجت کے لیے بھیج دے تاکہ وہ گھر آئی عورت کی قدر کرتے ہوئے اسے معاف کر دیں۔ یہ سن کر رحیم داد جانگلی کہے جانے والوں کی اس رسم ریت کو بے غیرتی پر محمول کر کے ٹھکرا دیتا ہے۔

رحیم داد خود کو زمیندار سمجھتا ہے وہ چونکہ آباد کار ہے، آرائیں ہے اور آباد کاروں میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہ اس ریت کو جانگلیوں کی بے غیرتی پر مبنی ریت قرار دیتا ہے۔ وہ سینہ تان کر یہاں تک کہتا ہے کہ یہ ہماری عزت و آبرو کے خلاف ہے۔ وہ شاداں کی مثال دے کر لالی کو ذہنی اذیت دیتا ہے اور اپنی قوم کی عورتوں کے بارے اظہار کرتا ہے کہ وہ اپنے گھر والے سے بے وفائی کا تصور بھی نہیں کر سکتیں ۔ آگے چل کر رحیم داد بچشم خود اپنی بیوی کو اپنے بچپن کے دوست کے گھر بن بیاہی بیوی کے روپ میں دیکھتا ہے۔ جبکہ لالی پنجاب کے

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر- 2025

قدیم باشندوں یعنی جانگلی کہے جانے والوں کی اُس روایت کا حوالہ دے رہا تھا جس میں گھر آئی عورت کو بیٹی سمجھ کر کئی کئی قتل معاف کر دیے جاتے تھے۔

جانگلوس میں جانگلی کہے جانے والے دوسرے کردار بھی حقیقت میں اجڈ، گنوار اور جنگلی نہیں ہیں۔ احسان شاہ جیسا بے حمیت شخص باوفا اور دلیر شخص اللہ وسایا کو بھی جانگلی کہتا ہے۔ اللہ وسایا جمیلہ کے ہندو باپ کا غریب مگر وفادار رعایا تھا۔ تقسیم ہند کے ہنگاموں میں جمیلہ کو بچاتا ہے۔ جمیلہ اس سے شادی کر لیتی ہے وہ اللہ وسایا کو زمیندار کہتی اور سمجھتی ہے مگر وہ ایسا وفاشعار ہے کہ ہمیشہ جمیلہ ہی کو اصل زمیں مالک سمجھتا ہے۔ غریب پرور ہے کسی کی عزت کا برا نہیں چاہتا اس کے باوجود احسان شاہ جیسے مفاد پرستوں سے جانگلی کہلواتا ہے۔ جمیلہ ایک غیر معمولی نسوانی کردار ہے۔ اسے بھی اپنی بے مثال شخصیت کے باوجود جانگلی سمجھا جاتا ہے اور تو اور رحیم داد بھی اللہ وسایا کو جانگلی ہونے کا طعنہ دیتا ہے، حالانکہ اللہ وسایا دل و جان سے اس کی مدد کرتا ہے۔ اس کے کلیم کے لیے پوری کوشش کرتا ہے۔ اسے عزت وقار دیتا ہے اور اسے زمیندار بناتا ہے۔

"جانگلوس" میں مقامی لوگوں کو جانگلی کہنے والے تمام تر لوگ دراصل اس طبقے کو Dehumanization کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ ناول کے کرداروں کو "جانگلی" کہنے والوں میں سے کچھ کا تعلق اس خطے میں آباد ہونے والے نوواردوں کے طبقے سے ہے اور کچھ اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے اقتدار اور طاقت کے دوام کے لیے اس طبقے کی حیثیت اور وقعت کو ختم کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ ان پر کیے گئے ظلم کو ظلم نہ سمجھا جائے بلکہ تادیب سمجھا جائے۔ جب یہ کسی کو جانگلی کہتے ہیں تو وہ کردار اپنی طاقت کی برتری کا اعلان کر رہا ہوتا ہے نہ کہ سامنے والے کی اخلاقی گراوٹ کا اثبات۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ناول کے وہ کردار جو جانگلی کہہ کر اپنی طاقت کی برتری دکھاتے ہیں وہ ڈرپوک، سازشی، فائدہ خور اور موقع پرست ہیں۔ ناول نگار نے ہر مقام پر یہ اہتمام کیا ہے کہ جانگلی کہنے والے کی اپنی اصل صورت پہلے سامنے رکھی ہے۔ جب ایک جانگلی کردار اپنی فیاضی، اپنی دلیری، اپنی وفا، اپنی غیرت مندی اور اپنی روایات کی پاسداری کا مظاہرہ کرتا ہے، اپنی جان کو داؤ پر لگا کر دوسرے کا تحفظ کرتا ہے تو ناول کے دوسرے کرداروں کی رذالت کے بطن سے ایک سوال ابھرتا ہے کہ درحقیقت ناشائستگی، گنوارپن، بدتہذیبی، بے حمیتی اور بے غیرتی کس کے پاس ہے۔ شوکت صدیقی کا ناول "جانگلوس" تحقیر کو توقیر میں بدلنے والا ناول ہے۔ وہ کردار جنھیں سماجی سطح پر قابل نفرت طبقے میں رکھا جاتا ہے ناول میں وہ وفا، دلیری، قربانی اور مزاحمت کا استعارہ بنتے دکھائے گئے ہیں۔

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر- 2025

یہ ناول انسان کی اس عظمت کی بازیافت کرتا ہے جسے سماج کے طاقتور طبقے نے اپنی سطوت کی بقا کے لیے چھین لیا تھا۔ واقعات کی سچائی کو عمومی بیانیے پر غالب کرنے والا یہ ناول سکھاتا ہے کہ مفاد پرست طاقت کا چپکایا ہوا لیبل، لاعلم سماج کا لگایا ہوا نعرہ غلط ہو سکتا ہے لیکن زندہ اور جاندار کرداروں کا تجربہ غلط نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر انوار احمد کا جانگلوس کے مرکزی کردار لالی کے بارے میں یہ تبصرہ یہاں نقل کرنا ضروری ہے وہ لکھتے ہیں:

> ”لالی میں مصنف نے ایسے اوصاف رکھ دیے ہیں جن کی عام انسان سے توقع کرنا عبث ہے۔ لالی اگرچہ مجرم ہے لیکن وہ ہر ایک کی بھلائی کا خواہاں ہے۔ جسے بھی دکھ اور تکلیف میں مبتلا دیکھتا ہے اس کو اس مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش کرتا ہے۔“[22]

لالی بظاہر سماج کا ایک عام فرد ہے لیکن ناول نگار جب کسی کردار کو منتخب کرتا ہے تو وہ عام نہیں رہتا۔ خاص طور پر جب کسی مرکزی کردار کو نمائندہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے تو وہ اپنے طبقے کی عمومی صفات کا عکاس بن کر سامنے آتا ہے۔ جب ناول کے متن کے بطون میں موجود سچائی کو متن کے باہر موجود سماجی تعریف کے مقابل رکھ کر دیکھتے ہیں تو شوکت صدیقی کا ناول جانگلوس سماجی طاقت کے معروف بیانیے کا رد کرتا نظر آتا ہے۔

Research Journal
Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر- 2025

حوالہ جات

1۔ شوکت صدیقی، ”منظر پس منظر“، مشمولہ، جانگلوس: جلد اوّل (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۵ء)، ۴۔

2۔ خرم شہزاد، مسلی فوکو: طاقت اساس فلسفہ (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۲۴ء)، ۱۴۳۔

3۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ۱۰۔

4۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ۱۷۔

5۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ۵۴۔

6۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ۱۲۵۔

7۔ غلام حسین ساجد، باغ وراغ (لاہور: کتاب ورثہ، ۲۰۲۱ء)، ۲۹۶۔

8۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ۱۹۶۔

9۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ۳۱۸۔

10۔ محمد حنیف رامے، پنجاب کا مقدمہ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ۱۲۔

11۔ ایم اے اشرف، تاریخ ساہیوال (ساہیوال: پنجاب لوک سُجاگ، ۲۰۱۴ء)، ۲۵۹۔

12۔ عزیز الدین احمد، پنجاب اور بیرونی حملہ آور (لاہور: بک ہوم، ۲۰۱۸ء)، ۱۴۳۔

13۔ فقیر محمد فقیر، پنجابی زبان وادب کی تاریخ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ۷۸۔

14۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ۲۳۳۔

15۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ۵۶۲۔

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر02، دسمبر- 2025

16 ۔شوکت صدیقی، جانگلوس، ۱۷۵۔

17 ۔شوکت صدیقی، جانگلوس، ۱۷۴۔

18 ۔شوکت صدیقی، جانگلوس، ۱۷۸۔

19 ۔تراب الحسن، پنجاب اینڈ دی وار آف انڈیپینڈینس ۱۸۵۷ء۔۱۸۵۸ء (کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۲۰ء)، ۱۳۷۔

20 ۔شوکت صدیقی، جانگلوس، ۳۶۸۔

21 ۔شوکت صدیقی، جانگلوس، ۳۶۹۔

22 ۔انوار احمد، شوکت صدیقی: شخصیت اور فن (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۰۶ء)، ۶۴۔